پروفیسر خالد شبیر احمد
قسط:۴۱

ورق ورق زندگی

تحریکِ ختمِ نبوت ۱۹۷۴ء اور احرار کا روایتی کردار:

۲۹رمئی ۱۹۷۴ء کا دن تھا۔ کالج میں چھٹی ہو چکی تھی۔ لیکن چھٹی کے بعد کالج ٹی کلب میں، ڈاکٹر ریاض مجید اور میں دونوں مختلف موضوعات پر گفتگو میں محو بیٹھے تھے کہ دفعتاً زرعی کالج کے چند طالب علم ٹی کلب میں آئے۔ چہرے سے سبھی پریشان نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے آتے ہی ہم سے پوچھا کہ کیا کالج میں چھٹی ہوگئی ہے؟ ہمیں تو طالب علموں کی ضرورت تھی۔ ہم نے انہیں بیٹھنے کو کہا اور ساتھ یہ بھی پوچھا کیا بات ہے آپ اتنے پریشان ہیں اور طالب علموں کی ضرورت، یہ سب کیا ہے؟ کہنے لگے:

''سر بہت بڑا سانحہ ہوگیا ہے۔ ربوہ کے ریلوے سٹیشن پر قادیانیوں نے نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طالب علموں پر بُری طرح تشدد کر کے انہیں بے حال کر دیا ہے، کسی کی ٹانگ اور کسی کا ہاتھ توڑ دیا ہے۔ یہ سب طالب علم لائل پور (فیصل آباد) کے ریلوے سٹیشن پر طبی امداد کے لیے پڑے ہیں۔ طالب علموں کو لے کر ہمیں وہاں جانا ہے تاکہ اس سانحہ کے خلاف احتجاج کیا جا سکے۔''

ہم دونوں بھی اس خبر پر حیران ہوئے اور انہیں کہا کہ کالج ہوسٹل سے کچھ طالب علم آپ کو مل جائیں گے۔ وہ طالب علم تو یہ کہہ کر چلے گئے لیکن ہم دونوں اس خبر پر بہت پریشان ہوئے اور حالات کی مکمل آگاہی کے لیے فوراً ریلوے سٹیشن کی طرف روانہ ہوگئے۔ سٹیشن پر ایک گاڑی کھڑی تھی اور پلیٹ فارم پر زخمی طالب علموں کو فسٹ ایڈ دی جا رہی تھی چارپائیوں پر زخمی طالب علم پڑے درد کی شدت سے کراہ رہے تھے اور پورا ریلوے سٹیشن لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ ڈی۔ سی اور مولانا تاج محمود بھی سٹیشن پر موجود تھے۔ لوگ غصے سے بے قابو ہو رہے تھے اور مولانا انہیں پُرامن رہنے کی تلقین کر رہے تھے۔ تفصیل معلوم کی تو پتہ چلا کہ نشتر میڈیکل کالج ملتان کے کچھ طالب علم جن میں اکثریت جماعت اسلامی کی طلباء تنظیم اسلامی جمعیت طلباء کی تھی، جو کسی تفریحی دورے پر پشاور گئے ہوئے تھے انہیں واپسی پر ربوہ ریلوے سٹیشن پر باقاعدہ اُتار کر قادیانیوں نے بُری طرح زدوکوب کیا ہے۔ الزام یہ ہے کہ جب وہ طالب علم چند دن پہلے پشاور کی طرف جا رہے تھے تو انہوں نے بقول قادیانیوں کے انہیں گالیاں دی تھیں اور مرزا غلام احمد کے خلاف نعرے بلند کئے تھے۔ اُن کا یہ تشدد اسی کا ردِعمل تھا۔ یہ بھی پتہ چلا کہ جو طالب علم زیادہ زخمی ہوئے انہیں تو فوری طور پر کسی ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا اور یہ طالب علم جو پلیٹ فارم پر زخمی حالت میں پڑے ہیں انہیں یہاں پر طبی امداد دی جا رہی ہے۔ دیر تک ہم سٹیشن پر یہ سب کچھ دیکھتے رہے تو کچھ دیر کے بعد زخمی طالب علموں کو گاڑی میں سوار کرا کر گاڑی کو روانہ کر دیا گیا۔ ہم دونوں سٹیشن سے باہر آئے تو میں نے ڈاکٹر ریاض مجید سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب یہ بہت بڑا سانحہ ہے جسے قوم برداشت نہیں کر سکے گی۔ اس کا ردِعمل کل تک شدید طور پر سامنے آئے گا۔ لازماً قادیانیوں کے خلاف ایک اہم تحریک کا آغاز ہو جائے گا اور اگر ردِعمل سامنے نہ آیا تو پھر خطرہ یہ ہے

کہ قادیانیوں کے خلاف ہم لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اور جو کچھ کیا جا چکا ہے اس پر پانی پھر جائے گا اور اگر ایسا ہوا تو یہ سانحہ جو آج ربوہ ریلوے سٹیشن پر ہوا ہے سے بھی بڑا سانحہ ہوگا۔ دعا کریں کہ کل اس کا ردِ عمل سامنے آئے۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی میری بات کی تائید کی اور کہا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ مسلمان اس سانحے پر خاموش ہو جائیں۔ ان شاء اللہ ردِ عمل سامنے آئے گا اور ضرور آئے گا۔ اس کے بعد ہم تو اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔ لیکن میں ساری رات بے چین رہا۔ جی چاہتا تھا کہ رات گزرے اور جلدی صبح ہو۔ دوسرے دن حسبِ معمول تیار ہو کر کالج آیا تو ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی، کہنے لگے لڑکے تو کالج سے نعرے لگاتے ہوئے باہر نکل گئے ہیں۔ آؤ ذرا شہر کا چکر لگا کر حالات معلوم کریں۔ چنانچہ ہم دونوں گورنمنٹ کالج سے نکل کر سب سے پہلے بھوانہ بازار آئے تو دکانیں بند تھیں۔ لوگ ٹولیوں کی شکل میں قادیانیت کے خلاف نعرے لگا رہے تھے اور قادیانیوں کی دکانوں کے قفل توڑ کر ان کے سامان کو باہر نکال کر آگ لگائی جا رہی تھی۔ تقریباً یہی حال تمام بازاروں میں تمام قادیانیوں کی دکانوں کا تھا۔ کافی دیر تک ہم شہر کے ان بازاروں میں گھومتے رہے۔ ہر جگہ یہی ہو رہا تھا۔ کہیں کہیں دو چار پولیس کے سپاہی بھی دیکھے گئے جو کہ بے بس ہو کر کھڑے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے لیکن انہیں ان حالات میں کسی قسم کی مداخلت کی شاید جرأت ہی نہ تھی۔

کافی دیر تک ہم مسلمانوں کے اس شدید ردِ عمل کا مشاہدہ کرتے رہے کہ دفعتاً مجھے مولانا مفتی زین العابدین کی وہ تقریر جو صرف چند دن پہلے نمازِ جمعہ کے موقع پر انہوں نے کچہری بازار کی مسجد میں کی تھی' یاد آئی۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ اس موقع پر مجھے وہ تقریر یاد آ گئی۔ انہوں نے فرمایا تھا ''کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی کی کوئی مدد نہیں کرتا جب تک کہ تمام وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے کوئی قوم یا فرد میدانِ عمل میں نہیں آ جاتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اصول ہے کہ اگر تم کوئی اہم کام کرنا چاہتے ہو تو اپنے تمام وسائل کو میدانِ عمل میں لاؤ۔ اور پھر اللہ تعالیٰ سے مدد کی دُعا کرو تو تمہیں اس میں کامیابی ہوگی، انہوں اپنی اس تقریر میں ایک خوبصورت مثال بھی دی کہ مُرغی کے انڈے میں چوزے کی کیا بساط ہوتی ہے کہ وہ بھی اندر سے چونچ مارتا ہے تو پھر انڈا اللہ تعالیٰ توڑتا ہے تاکہ چوزہ انڈے سے باہر آئے۔ اس مثال کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر ہم قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے میں ابھی تک کامیاب نہیں ہوئے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس میدان میں ہم سے کوئی کمی رہ گئی ہے۔ مثلاً یہ کہ ہم نے قادیانیوں کے خلاف سوشل بائیکاٹ کو اپنی تحریک کا حصہ نہیں بنایا۔ انہوں نے کہا کہ جب تک آپ قادیانیوں کے سوشل بائیکاٹ کو اپنی اس تحریک کا حصہ نہیں بنائیں گے کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔''

جب ہم دونوں یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے تو میرے دماغ میں مفتی زین العابدین کی یہ تقریر عود کر آئی۔ میں نے ڈاکٹر ریاض مجید صاحب سے کہا۔ ڈاکٹر صاحب! ایک کام آپ پر آن پڑا ہے، جلدی جلدی کر دیں کہ یہ کام اس تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے ضروری اور لازمی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ کیا کام ہے میں جواب میں کہا کہ مجھے Visiting Card کے سائز کے کچھ چھپے ہوئے کارڈ درکار ہیں جن پر سرخ رنگ میں یہ لکھا ہو کہ

''قادیانیوں کا سوشل بائیکاٹ کرو

تحریک طلبائے اسلام پاکستان''

یہ کارڈ اس وقت لائل پور (فیصل آباد) اور دوسرے شہروں میں تقسیم کرنے چاہئیں، تاکہ اس تحریک کا نصب العین قادیانیوں کا سوشل بائیکاٹ بن جائے۔ میں نے انہیں مولانا مفتی زین العابدین کی تقریر کا وہ اقتباس بھی سنایا، ڈاکٹر ریاض مجید صاحب نے کہا کہ یہ کون سا مشکل کام ہے۔ڈاکٹر صاحب کا ''راست گفتار پریس'' جو بھوانہ بازار کی ایک گلی میں تھا سے پہلے ہی رابطہ تھا وہ مجھے وہاں لے گئے اور ان سے کہا کہ ہمارا یہ کام کر دیں اور انہیں یہ بھی کہا کہ جلدی سے جلدی ایسے کارڈ ہمیں ملنے چاہئیں۔ پریس والوں نے ہمیں دو گھنٹے کا وقت دیا تعداد تقریباً دو ہزار کے قریب تھی۔ چنانچہ دو گھنٹوں کے بعد کارڈ ہمیں مل گئے ایک کپڑے میں مَیں نے انہیں باندھ لیا۔اب ریاض مجید صاحب کہنے لگے کہ ان کو آپ کس طرح تقسیم کریں گے۔ میں نے کہا کہ یہ کارڈ میں مولانا عبیداللہ احرار جو ہماری جماعت کے مرکزی صدر ہیں اور کارخانہ بازار میں ان کا مکان ہے انہیں دے دوں گا۔ وہ اس کی تقسیم کا خود انتظام کریں گے۔

مولانا عبیداللہ احرار سے ملاقات:

میں ان کارڈوں کی گٹھڑی سر پر اٹھائے مولانا عبیداللہ احرار کے مکان پر پہنچا اور ان سے ملاقات کی۔ اس ملاقات سے چند روز پہلے بھی میں مولانا سے ملا تھا۔ وہ شوگر کے مریض تھے اور ان کے پاؤں پر ایک پھوڑا نکل آیا تھا جس سے وہ چلنے پھرنے سے معذور تھے لیکن اِس ملاقات میں انہوں نے مجھے کہا تھا کہ ''یار شبیر ہن تاں میں گھوڑا ہو گیا ہاں، میرا پھوڑا ٹھیک ہو گیا اے'' (اب تو میں بالکل تندرست ہو گیا ہوں پھوڑا بالکل ٹھیک ہو گیا ہے اور چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا ہوں)۔ پچھلی ملاقات میں انہوں نے باتیں کرتے ہوئے مجھے یہ بھی کہا تھا کہ ''پروفیسر یار میں تو اب قادیانیوں کی سازشوں کے بارے میں بڑا پریشان رہتا ہوں۔ پھر پنجابی میں کہا ''ہن تاں میں اللہ کولوں دعا منگناواں کہ اللہ انہاں نوں تو آپ ای سانبھ'' (اب تو میں اللہ سے دعا مانگتا ہوں کہ اے اللہ اب تُو خود ہی ان کا کوئی انتظام کر، ہمارے بس میں اب یہ نہیں رہے)۔

چنانچہ اِس دن جب میں کارڈوں والی گٹھڑی سر پر لیے ان سے ملا تو انہیں پہلی ملاقات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ مولانا 'اللہ نے آپ کی دعا قبول کر لی ہے، شہر میں ربوہ والے واقعہ پر شدید ردِ عمل سامنے آیا ہے۔ اب آپ یہ کارڈ مجھ سے لیں اور جماعت کی وساطت سے عوام میں تقسیم کرائیں۔ انہوں نے کارڈ دیکھے تو بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ تو تم نے کمال کر دیا ہے یہ بہت اچھا پروگرام ہے میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اب یہ تحریک قادیانیوں کے سوشل بائیکاٹ کے نصب العین کے ساتھ ہی چلنی چاہیے۔

کارڈ تقسیم ہوئے تو دو چار دنوں میں ہی میں نے دیکھا کہ لائل پور کی مشہور جگہوں پر کپڑے کے بڑے بڑے ''بینر'' آویزاں تھے جن پر یہی لکھا ہوا تھا کہ ''قادیانیوں کا سوشل بائیکاٹ کیا جائے'' دوسرا ''بینر'' یہ تھا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے''۔ چنانچہ ان مطالبات کا آغاز لائل پور سے ہوا اور تحریک کے دوران پورے ملک کے اندر پھیل گیا۔

آل پاکستان مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا قیام (۹؍ جون ۱۹۷۴ء)

یہ تحریک تو اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہی چلا دی تھی اور کافی دن بس اللہ کے سہارے ہی چلتی رہی۔ ۹؍ جون کو آل پاکستان مجلس عمل کا قیام لاہور میں عمل میں آیا۔ لاہور میں سیاسی و دینی جماعتوں کا اجتماع ہوا جس میں مولانا سید محمد یوسف

بنوری کو اس تنظیم کا کنوینر مقرر کیا گیا جن جماعتوں کے نمائندوں کو اس تنظیم کا رکن بنایا گیا ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

جماعتِ اسلامی: پروفیسر عبدالغفور، چودھری غلام جیلانی۔ جمعیت علمائے اسلام: مولانا مفتی محمود، مولانا عبیداللہ انور۔ جمعیت علمائے پاکستان: مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا عبدالستار نیازی۔ تنظیم اہل سنت والجماعت: مولانا سید نورالحسن بخاری، مولانا عبدالستار تونسوی۔ اشاعت توحید وسنت: مولانا غلام اللہ خان، سید عنایت اللہ شاہ بخاری۔ تبلیغی جماعت: مولانا مفتی زین العابدین۔ مرکزی جماعت اہل سنت: مولانا غلام علی اوکاڑوی، مولانا حسین اللہ۔ جمعیت اہل حدیث: مولانا عبدالقادر روپڑی، مولانا محمد صدیق۔ ادارہ تحفظ حقوق شیعہ: سید مظفر علی شمسی۔ قادیانی محاسبہ کمیٹی: آغا شورش کاشمیری، مولانا احسان الٰہی ظہیر۔ نیشنل عوامی پارٹی: مسٹر ارباب سکندر خان خلیل، امیر زادہ خلیل۔ مجلس احرارِ اسلام: مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری، چودھری ثناء اللہ بھٹہ۔ مجلس تحفظ ختم نبوّت: حضرت مولانا خواجہ خان محمد، مولانا تاج محمود، مولانا محمد شریف جالندھری، قومی اسمبلی کے آزاد رکن مولانا ظفر احمد انصاری، طلباء کی تنظیموں کے اراکین کو بھی شامل کیا گیا۔ جن میں خصوصی طور پر اسلامی جمعیت طلباء، جمعیت طلباء اسلام اور تحریک طلباء اسلام قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے بعد مولانا عبدالستار نیازی نے پریس کانفرنس کرتے ہوئے اس کنونشن کے فیصلوں کا اعلان کیا۔ درج ذیل مطالبات حکومت کے سامنے پیش کیے گئے۔

۱۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ قادیانیوں کو کلیدی اسامیوں سے علیحدہ کیا جائے۔

۳۔ ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔ ربوہ میں جو اراضی میں موجود ہے، اس کو بحق سرکار ضبط کر کے شہری آبادکاری کے تحت ربوہ میں دیگر پاکستانیوں کو آباد ہونے کی اجازت دی جائے۔

اس تنظیم کے وجود میں آنے کے بعد تحریک میں ایک نئی اُمنگ اور نیا جذبہ بیدار ہو گیا، ہڑتالیں، جلسے، جلوس، پریس کانفرنسیں، کراچی سے لے کر پشاور اور کوئٹہ تک یہ تحریک پھیل گئی۔

ذوالفقار علی بھٹو کے تحریک کے بارے میں تاثرات:

۱۵/جون ۱۹۷۴ء کو وزیراعظم نے ایک نشری تقریر میں کہا کہ: ''قادیانی مسئلہ ۱۰۰ سال پرانا مسئلہ ہے، کیا سرظفر اللہ کو میں نے وزیر خارجہ بنایا تھا۔ آپ احمدیوں کا مسئلہ میری جھولی میں کیوں ڈالنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ مسئلہ میں نے پیدا کیا ہے، کیا قادیان میں گاندھی کی تقریریں میں نے کروائی ہیں۔ اتنے پرانے مسئلہ کو میں دو چار دنوں میں کیسے حل کر سکتا ہوں۔''

۱۵/جون کے اخبارات میں ہی یہ اعلان ہوا کہ ۱۶/جون کو لائل پور میں مجلس عمل کا اجلاس ہوگا۔ کنوینر مجلس عمل مولانا سید یوسف بنوری صدارت کریں گے۔ جس میں ملک سے اٹھارہ، سیاسی اور دینی جماعتوں کے نمائندے شرکت کریں گے۔ جن میں پاکستان مسلم لیگ، پاکستان جمہوری پارٹی، جماعتِ اسلامی، نیشنل عوامی پارٹی، جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علماء پاکستان، جمعیت اہل حدیث، قادیانی محاسبہ کمیٹی، مجلس تحفظِ ختم نبوّت، مجلس احرارِ اسلام، مرکزی حزب الاحناف کے نمائندے شرکت کریں گے۔

مرکزی مجلس عمل کا اجلاس ۱۶؍جون ۱۹۷۴ء:

چنانچہ یہ اجلاس مولانا یوسف بنوری کی صدارت میں ماڈل ٹاؤن کے ایک بنگلے میں ہوا۔ جس میں مطالبہ کیا گیا کہ ۲۹؍مئی کے سانحہ کی عدالتی تحقیقات لاہور ہائی کورٹ کے کسی جج سے کرائی جائے۔ تا کہ اس واقعے کے پس منظر اور محرکات سے قوم آگاہ ہو۔ اجلاس میں مجلس احرار اسلام پاکستان کے جنرل سیکرٹری مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری نے مجلس عمل کے عہدے داروں کے انتخاب کی تجویز پیش کی، جسے اجلاس نے منظور کیا تا کہ تحریک کو مزید ذمہ داری کے ساتھ آگے بڑھایا جا سکے۔ چنانچہ متفقہ طور پر مولانا سید محمد یوسف بنوری کو صدر تسلیم کیا گیا اور لاہور کے صاحبزادہ محمود احمد رضوی مجلس عمل کے سیکرٹری اور مولانا محمد شریف جالندھری کو نائب سیکرٹری کے طور پر منتخب کیا گیا۔ اجلاس میں جن حضرات نے شرکت کی، اُن کے نام درج ذیل ہیں:

علامہ شاہ احمد نورانی، مولانا عبدالستار نیازی، میجر اعجاز احمد چودھری، صفدر علی رضوی، مولانا مفتی محمود، مولانا تاج محمود، مولانا عبیداللہ انور، مفتی زین العابدین، نوابزادہ نصر اللہ خان، مولانا عبیداللہ احرار، مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری، مولانا محمد مفتی تقی عثمانی، سید حسین الدین شاہ، صاحبزادہ قاری فضلِ رسول، مفتی سیاح الدین کا کاخیل، چودھری ثناء اللہ بھٹہ، احسان الٰہی ظہیر، مولانا ظفر احمد انصاری، آغا شورش کاشمیری، میاں فضل حق، مولانا محمد صدیق، سردار امیر عالم انصاری، حکیم عبدالرحیم اشرف، مولانا محمد شریف جالندھری، غلام دستگیر باری، صاحبزادہ اسرار الحق، سید مبارک علی گیلانی، مولانا عبدالقادر روپڑی، چودھری غلام جیلانی اور مولانا عبدالرحمٰن۔

اس تحریک کی نوعیت ۱۹۵۳ء کی تحریک سے مختلف تھی۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ اس تحریک میں کالج اور یونیورسٹی کے طلباء نے بڑی کثرت سے شرکت کی۔ تحریک پُر امن رہی، تحریک پر تشدد کر کے اسے دبانے کی کوشش نہیں کی گئی جس طرح ۱۹۵۳ء کی تحریک میں کی گئی تھی۔ یہ بات درست ہے کہ اس تحریک میں بھی گرفتاریاں ہوتی رہیں لیکن پُر امن طریقے سے ان گرفتاریوں کے باوجود باضابطہ طور پر تحریک آگے بڑھتی رہی۔ اس تحریک میں مرکزی مجلس کے عہدے داروں کو گرفتار نہیں کیا گیا البتہ بعض شہروں میں مقامی رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا۔ مجلس احرارِ اسلام کے رہنما مولانا سید عطاء المحسن بخاری اور صاحبزادہ محمود شاہ کو گجرات سے، مولانا سید عطاء المہیمن بخاری کو بورے والہ ضلع وہاڑی سے گرفتار کیا گیا۔ جب کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک میں تمام مرکزی قیادت کو کراچی اجلاس کے بعد گرفتار کر لیا گیا تھا۔ پھر یہ تحریک پورے ملک کے اندر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ سندھ، پنجاب، سرحد اور بلوچستان کے شہروں کے علاوہ دیہات کے لوگوں نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا۔ قادیانیوں کے سوشل بائیکاٹ نے اس تحریک کو ۱۹۵۳ء کی تحریک سے مختلف بنا دیا تھا۔ ہر دکان پر یہ تحریر لکھی گئی کہ قادیانی یہاں سے سودا نہیں لے سکتے، ریڑھی والے بھی اپنی ریڑھی کے ساتھ یہ لکھ دیتے تھے کہ قادیانی اس ریڑھی سے سودا نہیں خرید سکتے۔ حتیٰ کہ پورا ربوہ اس سوشل بائیکاٹ کی وجہ سے انتہائی متاثر ہوا۔ انھیں ضروریات زندگی حاصل کرنا مشکل ہو گیا، اس تحریک میں کئی قادیانیوں نے قادیانیت کو ترک کر کے اسلام قبول کر لیا لیکن اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اگر ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوّت نہ چلائی جاتی تو یہ تحریک بھی سامنے نہ آتی۔ یہ بات واضح ہے کہ تحریک کوئی بھی ناکام نہیں ہوتی بظاہر ناکام تحریک بھی آنے والے دنوں میں ایک دوسری تحریک کا باعث بنتی ہے اور اس طرح یہی تسلسل تحریک کے مقاصد تک تحریک

چلانے والوں کو پہنچا دیتا ہے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا وہ قول جو انھوں نے ۱۹۵۳ء کی تحریک کے حوالے سے کہا تھا کہ ''سُن لو میں ایک ایسا ٹائم بم رکھ کے جا رہا ہوں، جو اپنے وقت پر ضرور پھٹے گا'' یہ ٹائم بم ۱۹۷۴ء میں پھٹا اور پھر تحریک کے ذریعے وہ مقصد بھی حاصل ہوا جس کے لیے برسوں پہلے ۱۹۵۳ء کی تحریک چلائی گئی تھی اور دس ہزار مسلمانوں کو گولیاں مار کر شہید کر دیا گیا تھا۔ ۱۹۷۴ء میں انھی شہداء ختمِ نبوّت کا خونِ بے گناہی رنگ لایا اور تحریک کامیابی کے ساتھ فیصلہ کن نتیجے پر پہنچی۔

چنیوٹ میں تحریک کے حالات۔ ملک رب نواز کی قیادت:

فیصل آباد میں تحریک پورے جوش و خروش سے جاری تھی تو میں نے چنیوٹ جا کر تحریک کا جائزہ لیا۔ چنیوٹ جا کر معلوم ہوا کہ یہاں پر اُسی دن یعنی ۲۹ مئی کو ہی ایک زبردست جلوس ملک رب نواز جو کہ اُس وقت مجلس احرارِ اسلام کی طلباء تنظیم تحریکِ طلباء اسلام کے مرکزی صدر تھے کی قیادت میں نکالا گیا۔ انھوں نے مجھے خود بتایا کہ میں اس خبر کے سننے کے بعد اکیلا ہی محلّہ گڑھا کے ایک قادیانی کی دکان میں گھس گیا اور اس کا سامان اٹھا کر باہر پھینکنا شروع کر دیا۔ اس پر کافی لوگ جب دکان کے باہر جمع ہو گئے تو میں نے پُرجوش تقریر کی اور اس واقعے کی تفصیلات سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ لوگ جذباتی ہو گئے تو میں نے اُنھیں اجتماعی جلوس کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ مجھے اس واقعہ کی اطلاع بہت جلد مل گئی تھی اور مولانا عبدالوارث نے مجھے اس واقعہ کے بعد ایک میٹنگ بلانے کے لیے کہا تھا۔ میں نے جواباً کہلا بھیجا کہ میٹنگ میں وقت ضائع ہوگا۔ میں نے جلوس کی شکل میں پہلے دن ہی احتجاج شروع کر دیا تھا۔ اس طرح یہ اعزاز بھی مجلس احرار اسلام کو ہی ملا کہ تحریکِ ختمِ نبوّت ۱۹۷۴ء میں ۲۹ مئی جس دن یہ جانکاہ حادثہ ہوا، اُسی دن پہلا جلوس مجلس احرار کی طالب علم تنظیم تحریک طلباء اسلام کے مرکزی صدر کی قیادت میں نکالا گیا۔ ملک رب نواز نے بھرپور تحریک میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ چنیوٹ میں یہ تحریک مولانا عبدالوارث، مولانا منظور احمد چنیوٹی اور ملک رب نواز جو مجلس احرار اسلام چنیوٹ کے صدر ملک اللہ دتہ کے بیٹے تھے کے دم قدم سے چلتی رہی۔ راہ میں کئی مشکل مراحل بھی آئے لیکن کہیں بھی ان کے قدم ڈگمگائے نہیں۔ وہ ہر مشکل میں انتہائی جذبے سے مشکلات کو چیلنج کرتے رہے اور نعرہ لگاتے، آگے بڑھتے رہے کہ:

کہو ناخدا سے کہ لنگر اٹھا دے　　　میں طوفاں کی ضد دیکھنا چاہتا ہوں

معاملہ یہاں تک پہنچا کہ ملک رب نواز کے بارے میں کسی میٹنگ میں سردار صغیر (پنجاب کابینہ میں وزیر تھے) نے یہ کہہ دیا کہ مجھے اس لڑکے یعنی رب نواز کا سر چاہیے۔ یہ بات لوگوں تک پہنچی تو شہر میں اس کا شدید ردِعمل سامنے آیا۔ ابن امیر شریعت سید عطاء المؤمن بخاری اس خبر کے بعد اپنی تمام تحریکی سرگرمیوں کو چھوڑ کر چنیوٹ تشریف لائے اور انھوں نے شہر میں محلّہ درکھاناں کی مسجد میں ایک پُرہجوم اجتماع میں اس وزیر بے تدبیر سردار صغیر کو للکارا۔ اس للکار نے سردار صغیر کی نیندیں حرام کر دیں۔ آپ نے کہا: اس علاقے کے لوگ تو اپنے کھیت سے مولی نہیں توڑنے دیتے تم رب نواز کا سر مانگتے پھرتے ہو تم وزارت کے نشے میں بدمست ہو کر بہک گئے ہو۔ ہم فقیر لوگ ایسی وزارتوں کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر پر رکھتے ہیں۔ ہم سے اُلجھنے والوں کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔ اگر ملک رب نواز کا بال بھی بیکا ہوا تو میں یہاں پر ایک ایسی آگ لگا دوں گا کہ تمھاری پوری پیپلز پارٹی اس آگ کو نہیں بجھا سکے گی۔ میں آج یہ اعلان کرتا ہوں اور یہ مجمع اس بات کا گواہ ٹھہرتا ہے کہ اگر ملک رب نواز کو کچھ ہوا تو ایف۔ آئی۔ آر پنجاب کے اس وزیر سردار صغیر کے خلاف کٹوائی جائے گی۔'' ان کی

اس پر جوش تقریر کے دوران سردار صغیر مردہ باد اور ملک رب نواز زندہ باد کے نعرے مسلسل لوگوں کے جوش و جذبے کی غمازی کرتے رہے۔

اُن دنوں جب سردار صغیر کے حوالے سے ملک رب نواز کے بارے میں یہ پریشان کن خبر آئی تو میں نے ایک ملاقات میں ملک اللہ دتہ مرحوم کے ساتھ اپنی پریشانی کا اظہار اُن کے سامنے بھی کیا تو وہ فرمانے لگے:

’’پروفیسر اس میں کون سی پریشانی کی بات ہے، اگر اس تحریک میں میرا یہ بیٹا شہید بھی ہو گیا تو کیا ہو گا۔ جس شہادت کی خواہش لیے میں مجلس احرار اسلام کے ساتھ عمر بھر وابستہ رہا ہوں، مجھے نہیں ملی، وہ میرے بیٹے کو مل جائے گی تو میں کہوں گا یہ میرا اعزاز ہے کہ میں ایک شہید کا باپ ہوں۔ میں تو اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے دن رات دعا کرتا ہوں کہ میرا بیٹا یہ کام کرتا رہے اور اگر یہ گرفتار ہو گیا تو میں نے تو اپنی بیٹی کو تیار کر لیا ہے کہ وہ اپنے بھائی کی جگہ اس تحریک کی قیادت کرے گی۔‘‘

ملک اللہ دتہ صاحب کے جذبۂ ایمانی نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ یہ جذبات حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور اکابر احرار کی صحبتوں کا فیض اور نتیجہ تھے اور یہ جذبہ صرف ملک اللہ دتہ تک ہی محدود نہیں۔ ہر وہ آدمی جس نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی قیادت میں تحریک تحفظ ختمِ نبوّت اور تحریک آزادی میں حصہ لیا وہ اسی انداز میں سوچتا رہا اور سوچتا ہے:

کیا یہ ممکن ہے کہ وہ شخص بھی ہو بزدل خالد　　　جس کو نسبت ہو بھلا حلقۂ احرار کے ساتھ

رشید احمد کی شہادت:

ابتدائی دنوں میں چنیوٹ میں جب ایک احتجاجی جلوس نکالا گیا تو قادیانی گروہ کی فائرنگ اور خشت باری کے بعد شہر کی پُر امن فضا سخت کشیدہ ہو گئی۔ جسے مشکل سے قائدین جلوس نے قابو پا کر ثابت کیا کہ وہ تحریک کو پر امن رکھنا چاہتے ہیں اور قادیانی اپنی شر انگیز سرگرمیوں سے پر امن تحریک کو تشدد میں بدل کر اسے ناکام بنانا چاہتے ہیں۔ اگلے روز پہلے دن کی قادیانی شرار پر احتجاج کرنے کے لیے حسب معمول جلوس نکالا تو جب یہ جلوس ریل بازار پہنچا، ’’شاہ میڈیکو‘‘ کے مالک قادیانی کے مکان سے دوبارہ خشت باری کی گئی۔ جس پر جلوس کے شرکاء مشتعل ہو گئے اور انھوں نے قادیانیوں کی دکانوں کو نذر آتش کر دیا، کیونکہ اب قادیانیوں نے جلوس پر خشت باری کو اپنا معمول بنا لیا تھا۔ اس کے بعد جب یہ جلوس شہر کے ایک دندان ساز شریف قادیانی کے مکان کے قریب پہنچا تو مکان کی چھت سے جلوس پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی گئی۔ اس فائرنگ سے کئی نوجوان زخمی ہوئے، تین کی حالت نازک تھی۔ جن میں سے ایک رشید احمد نامی چنیوٹ کا نوجوان شہید ہو گیا۔ محلّہ گڑھا کے ایک چوک کو رشید شہید چوک کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ایسے حالات میں بھی لوگوں کو پر امن رکھ کر اور چنیوٹ میں تحریک کو جاری رکھنا کتنا مشکل کام تھا۔ اس کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے اور اس کے لیے بنیادی طور پر ملک رب نواز اور مولانا عبدالوارث کو عمومی کریڈٹ جاتا ہے۔ شہر میں اس واقعے کے بعد دو دن مکمل ہڑتال رہی۔ انھی حالات میں تحریک چنیوٹ میں جاری رہی۔

’’رکتا نہ تھا کسی سے یہ کارواں ہمارا‘‘

(جاری ہے)